

تنگ

و تارک گھومتی میڑھیوں سے، جودن کو بھی اندھیری ہوتی ہیں، اوپر چاہیے۔ شمالی کلکتہ کے اس گنجان آباد پرانے علاقے میں نیل مٹی مترا اسٹریٹ پر واقع اس عمارت نے بھی اس علاقے کی دوسری عمارتوں کی طرح کبھی اچھے دن دیکھے ہوں گے۔ آپ ایک چھوٹے سے کمرے میں قدم رکھتے ہیں جس کا سینٹ کالال فرش ننگے پاؤں میں ٹھنڈا لگتا ہے جس سے پرانے زمانے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ کمرے کا درمیانی حصہ خالی ہے لیکن اس کے گوشوں میں طرح طرح کی چیزیں بھری ہوئی ہیں، لپیٹے ہوئے بستے، برتن، پانی کی بوتلیں وغیرہ لیکن اس بند ماحول میں بھی وحشت نہیں ہوتی۔ آلات موسیقی بھی ہیں۔ ڈھول، جھانچ، جیرا وغیرہ بھی ایک کونے میں ڈھیر ہیں۔ ظاہر ہے اس کمرے سے دوسرا کام تخلیقی حوصلہ رکھنے والوں کے ملنے کی جگہ کا بھی لیا جاتا ہے۔

آج اس کمرے میں کسی تقریب کا سماں ہے۔ خوشبودار پھولوں کی دو مالائیں اور ان مٹھائیوں کے ڈبے جن کے لئے کلکتہ بجا طور پر مشہور ہے، ایک اسٹول پر سجائے ہوئے ہیں۔ یہ واقعی ایک خاص دن ہے کیونکہ اس گروپ کے دو اراکین اپنی شادی کرنے

جارہے ہیں۔ کوئی دلکش بنگالی نغمہ لایا ہے جس میں سب اپنی تان ملانے لگتے ہیں۔ مبارکبادیوں اور تمہیوں کے درمیان آپ کو صرف ایک چیز مختلف نظر آئے گی وہ یہ کہ دلہن چمکی پال اور دلہا سندھپ چڑھی دونوں ناپینا ہیں، ان کے گروپ کے دوسرے لوگ جوان کے گرد اکٹھا ہیں ان میں سے بیشتر ایسے ہی ہیں۔ چمکی پال جب دو برس کی تھیں تو آٹھ برس کی تکلیف کے غلط علاج کی وجہ سے ان کی بینائی ضائع ہو گئی تھی۔ انھوں نے اس یادگار موقع پر سنہرے کنارے والی نیلگوں فیروزی ساڑھی پہن رکھی ہے۔ وہ بلا کسی تاسف کے کہتی ہیں۔ ”لوگوں نے مجھے بتایا ہے اس لئے میں سمجھتی ہوں کہ یہ ساڑھی نیلی ہے لیکن میں یہ تصور نہیں کر سکتی کہ یہ کیسی لگتی ہے لیکن یقین جاننے میں خواب دیکھتی ہوں تو ہمیشہ رنگین ہی خواب دیکھتی ہوں۔“ چڑھی انڈرگریجویٹ اسٹوڈنٹ ہیں اور رابندر بھارتی یونیورسٹی میں موسیقی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بلائینڈ اوپیرا کے اراکین کے طور پر ان کی ملاقات کے بعد ان کا روٹس شروع ہوا۔ کلکتہ میں رقص و موسیقی کا یہ نرالا گروپ ہندوستان اور ایشیا میں اپنی نوعیت کا واحد گروپ ہے جو دوسرے پیشہ ور گروپوں کی طرح پابندی سے اپنے شو کو کرتا ہے۔

اس بلائینڈ اوپیرا کے پرجوش اراکین کی تعداد ۳۶ ہے جن میں سے بیشتر بالکل ناپینا ہیں جس سے ایک بار پھر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جسمانی معذوریوں اتنی بڑی رکاوٹ نہیں ہیں جتنی کہ سمجھی جاتی ہیں۔ ان لوگوں نے نوبل انعام یافتہ رابندر ناتھ ٹیگور کی ”راجہ“ یا ”رکتا کورونی“ جیسے ڈراموں کو پیش کیا ہے جنہیں پرانے تھیٹر گروپ بھی دشوار گزار سمجھتے ہیں۔ یہ بلائینڈ اوپیرا ۱۹۹۶ میں قائم ہوا تھا اس کے بعد سے وہ صرف اس شہر میں ہی اپنے شو نہیں کرتے بلکہ باہر بھی پروگرام کرنے والے انھیں بلاتے ہیں تو وہاں جا کر شو کرتے ہیں۔ یہ اوپیرا تھیٹر کے چار سرگرم ارکان، اشوک پرامانک، دیباکیش چودھری، سوہا شیش گنگو پادھیائے اور پرنتا چڑھی کی کوششوں کا نتیجہ ہے جنہوں نے ناپینا مردوں اور عورتوں کی ذہانتوں کو یکجا کرنے کو ایک چیلنج کے طور پر تسلیم کیا۔

مگر ڈرامہ پیش کرنے والے کسی گروپ کو ”اوپیرا“ کا نام کیوں دیا گیا؟ ڈائریکٹر سوہا شیش گنگو پادھیائے کہتے ہیں کہ ”پرانے زمانے میں ہمارے ڈرامے اوپیرا کے طور پر ہوا کرتے تھے۔ آلات کی موسیقی کے ساتھ گانے، رقص اور مکالمے ہوا

کرتے تھے۔ ہم بھی وہی کرتے ہیں۔“

ناپینا اوپیرا کا تصور ۱۹۹۳ میں اس وقت پیدا ہوا جب ہم کلکتہ کے جنوبی علاقے بہالا میں واقع کلکتہ بلائینڈ اسکول میں ایک ڈرامہ ”جاتا دوریے جائے“ کو پیش کرتے ہوئے ایک ورکشاپ کر رہے تھے۔ وہ ڈرامہ اس اسکول کی صدر سال تقریب کے سلسلے میں پیش کیا جا رہا تھا۔ اس کے اختتام کے بعد اس کے شرکاء نے رقص و سرود میں اپنی ٹریڈنگ جاری رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

فنکاروں کو اسٹیج پر پیش کرنے کا کام بڑا مشکل ہوتا ہے، اس میں اصل مسئلہ جگہ کے انتظام کا ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اسٹیج اور حاشیوں کے درمیان نشاندہی کے لئے سیٹوں سے کام لیا گیا۔ جیسے ہی کسی آرٹسٹ کا پاؤں رسی پر پڑتا ہے وہ سمجھ جاتا ہے کہ وہ اسٹیج میں داخل ہو گیا۔ ڈائریکٹروں کی یہ جدت طرازی بڑی کامیاب ثابت ہوئی۔ گنگو پادھیائے مزید کہتے ہیں کہ یہ فنکار دیکھنے سے معذور ہیں لیکن سونگھ سکتے ہیں، سن سکتے ہیں اور چھو سکتے ہیں۔ تھیٹر میں ان تینوں حواسوں سے بھی تو کام لیا جاتا ہے۔

گنگو پادھیائے سمجھتے ہیں کہ ”ناپینا لوگوں کے لئے تھیٹر ان کی خلافتانہ صلاحیتوں کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔“ ان کا رد عمل

بلائینڈ اوپیرا

دنیا کو اپنی نظر دیکھتے ہیں

رنجینا بسواس

بلائینڈ اوپیرا کے فن کار ۱۹۹۶ سے کلکتہ میں پروفیشنل اسٹیج شو کر رہے ہیں۔ وہ خود ہی اداکاری کرتے ہیں، پڑھاتے ہیں، ہدایت کاری کرتے ہیں اور خود ہی رابطہ قائم کرتے ہیں۔ سوہا ڈے (بائیں) جو بشویاگل کاکردار ادا کرتے ہیں نجمہ خاتون سے محو کلام ہیں۔ نجمہ خاتون اس گروپ کی واحد فنکارہ ہیں جو دیکھ سکتی ہیں۔ اکتوبر ۱۰، ۲۰۰۵ کی سالٹ لیک کے ایک شو کی تصویر

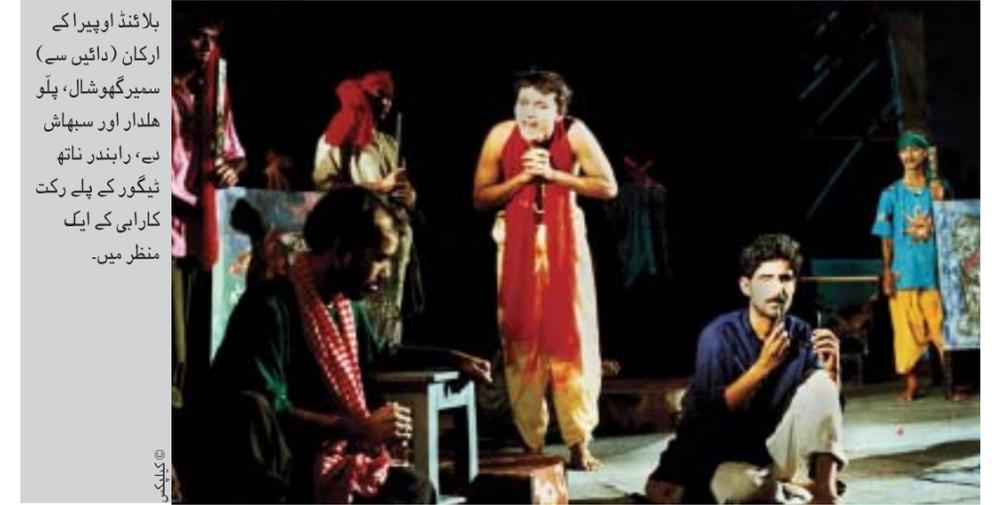
فطری ہوتا ہے۔ وہ کسی کی نقل نہیں کرتے کیونکہ وہ دیکھ ہی نہیں سکتے۔ ان کے جسم کی حرکات و سکنات کہانی بیان کرتی ہیں اس لئے بالکل بے ساختہ ہوتی ہیں۔“

بلائینڈ اوپیرا کے فنکار تماشائیوں کے لئے بھی ایک چیلنج پیش کرتے ہیں۔ یعنی ان کے متعلق کوئی رائے ان کی صلاحیتوں کے مطابق ہی قائم کرنی ہوتی ہے، سوچ، پچار کے نتیجے میں نہیں (آخر اس کو پیش کرنے والے ناپینا ہوتے ہیں)۔ ابتدا میں تو خود بانیوں کو بھی شکوک و شبہات تھے۔ کیا ان کی پیشکشوں کو فنکارانہ سمجھا جائے گا یا محض ایک پیشکش ہو کر رہ جائے گی؟ لیکن وہ قابل تعریف ہیں۔ ملکیت کے باشعور سامعین نے ہر طرف سے ان کی اداکاریوں کی ستائش کی۔ کسی پیشکش میں سارے افراد

مجھے اپنی تعلیم کو ختم کر دینا پڑا، میں گھر میں بیکار بیٹھا رہتا۔ اب میں خود کو کارآمد سمجھتا ہوں اور ایک تعلق محسوس کرتا ہوں۔“

اس کا ایک معالجاتی اثر بھی ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں اعتماد بڑھتا ہے، کیونکہ وہ اپنے خول کے باہر کی دنیا تک بہتر رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کا ایک احساس مرزبند خاتون کے الفاظ میں، جو ایک بچے کی ماں ہے، یہ بھی ہوتا ہے کہ گویا وہ دیکھنے والی اور اپنی اندھیری دنیا کے درمیان ایک پل بنا رہے ہیں۔

وہ گاتے ہیں، ناچتے ہیں اور سرور ہوتے ہیں۔ خود اپنی سطح پر اور سامعین کی سطح پر مواصلت کی مسرت ایسی ہوتی ہے کہ اس کے لئے دور دراز سے آنا بھی انھیں ناگوار نہیں ہوتا، کبھی کبھی آمد و رفت کے عوامی ذرائع سے اور کبھی لوکل ٹرینوں سے دو دو تین



گھنٹے سفر کر کے شام کو اس جگہ پہنچنے کے لئے آتے ہیں۔ کبھی کبھی شو سے پہلے رہبر سل کے دوران انھیں شام کو دیر تک ٹھہرنا پڑتا ہے۔ کلکتہ کی بھیڑ بھاڑ والی جا بجا ٹوٹی ہوئی سڑکوں کو دیکھتے ہوئے، بسیں بھی ایسی کہ ان میں چڑھنا اترنا آسان نہیں ہے، ان لوگوں کا یہاں آنا کوئی معمولی بات نہیں ہے اور اس سے ان کے غیر معمولی جوش و خروش کا پتہ چلتا ہے۔

بلائینڈ اوپیرا معذوروں کے دوسرے گروپوں سے بالکل بے تعلق بھی نہیں ہے۔ وہ ۲۰۰۰ سے ہر سال معذوروں اور حاشیائیوں کے تھیٹر کی ایک تقریب بھی مناتے ہیں ”پرتی بوندھی و پرائٹک ٹیٹ اوٹسو“ جو کہ ملک میں اپنی نوعیت کی واحد تقریب ہے۔ پراما تک کہتے ہیں کہ ”حاشیائیوں سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جنہیں سماج نے نظر انداز کر دیا ہے۔ جیسے کہ سڑکوں پر پھرنے والے بچے یا طوائفوں کے بچے وغیرہ جنہیں عام آئینوں پر اپنے فن کے مظاہرے کا موقع نہیں ملتا۔“

اس تقریب کا ایک دن ”پان سپاری اٹسو“ کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یہ عام طور سے ہندوستانی گھرانوں میں آنے والوں کی پان سپاری سے ضیافت کی روایت کے مطابق ہے۔ اس روز مختلف گروپ اپنی دوستی کا رواہتی مظاہرہ کرتے ہیں جو ایک طرح سے برادری کے درمیان پل بنانے کی ایک کوشش ہے۔

اس کے پیچھے ایک بڑا مقصد بھی ہے یعنی تھیٹر کے ذریعہ معذوروں کی ایک برادری قائم کرنا جن کی تعداد تو بہت بڑی ہے لیکن وہ بالکل الگ تھلک رہتے ہیں، انہیں اصل دھارے میں لانا مقصود ہے۔ وہ ل کر بذات خود ایک طاقت بن سکتے ہیں اور عوامی زندگی میں بہتر ہولتوں کا مطالبہ کر سکتے ہیں جن کے متعلق فی الحال اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ آفسونناک حد تک کم ہیں۔ پراما تک کا خیال ہے کہ ناپینا بچوں کو تو شروع سے ہی اصل دھارے میں آنا چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو جسمانی سرگرمیوں میں حصہ لینا چاہئے۔ ”اکثر والدین اپنے معذور بچوں کو چھپائے رکھتے ہیں یا ان کی طرف کافی توجہ نہیں دیتے۔ مثال کے طور پر اگر بڑے ہو جانے کے بعد کسی لڑکے سے اچانک فٹ بال کھیلنے کو کہیں تو وہ نہیں کھیل سکے گا کیونکہ اس وقت تک اس کا جسم اتنا مست ہو چکا ہوگا کہ اس قابل نہیں ہوگا۔“

بلائینڈ اوپیرا نے اپنی حیثیت تسلیم کرائی ہے اور اب اس کے اراکین مغربی بنگال کے ہر ضلع میں ناپینا اسکولوں میں ورکشاپ کا انتظام کرتے ہیں اور اس طرح اس برادری میں ایک رابطہ بنا رہے ہیں جو اب تک الگ تھلک گروپوں یا افراد کی شکل میں تھی۔ حکومت ہند کا محکمہ تعلیم اس پروجیکٹ کی اعانت کرتا ہے۔ ان سارے اسکولوں نے اپنے سلیپس میں ڈرامے کے تعارف کو شامل کیا ہے۔ اس اوپیرا کے اراکین خود ٹیچر بن گئے ہیں۔

گنگو پادھیانے فخر یہ کہتے ہیں کہ ڈائریکٹروں کی دوسری نسل تیار ہو رہی ہے۔ ان میں سے ایک قائد اداکار سو بھاس دے، جو بالکل ناپینا ہیں، ایک ڈرامہ ”ایک درٹی“ کی ہدایت کاری کر چکے ہیں۔ ان کی اگلی پیشکش ”ویننگ فار گڈوٹ“ بھی آنے والی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”یہ سب مل کر اس تحریک کو آگے بڑھائیں گے اور ہم اس کے بانی منظر میں رہیں گے۔“

اس گروپ کا ایک عظیم خواب ایک ڈرامہ یونیورسٹی قائم کرنا ہے جہاں معذوروں اور حاشیائی لوگوں کی تخلیقی صلاحیتوں کے لئے ایک پلیٹ فارم فراہم کیا جائے گا جو اقتصادی اور سماجی اعتبار سے حاشیائی علاقے میں رہنے پر مجبور ہیں۔ چمکی پال کی طرح وہ سب رنگین خواب دیکھتے ہیں۔ □

مصنفہ کے بارے میں: رضینا بسواس کلکتہ ٹیٹر آزاد قلم کار ہیں۔ انہوں نے ادب پاروں کا ترجمہ کیا ہے اور خود بھی افسانے لکھتی ہیں۔